Hazara Islamicus, Vol.:10, Issue: 02,July-Dec 2021
PP: 20-43

OPEN ACCESS
Hazara Islamicus
ISSN (Online): 2410-8065
ISSN (Print): 2305-3283
www.hazaraislamicus.com

اِسلامی نظام عدل اور آزاد جموں و کشمیر کا عدالتی ماڈل

Islamic Justice System and Judicial model of Azad Jammu & Kashmir

Dr. Fareed Ud Din Tariq
Assistant Professor, Department of Islamic studies,
The University of Azad Jammu & Kashmir, Muzaffarabad, (AJ&K)

Dr. Hasnat Gillani
Department of Law, The University of Azad Jammu & Kashmir.

Abstract

It is a natural thing that mutual disagreements and discords appear in a community of people. Societies and community organizations come into existence to make sure to establish a balance between mutual rights and obligations of the people. This structure is called the state and the government, and the main responsibility of a state government particularly an Islamic government is to establish justice. Islam, though, its justice system keeps all the elements of the society in their rightful places. This system requires that all-round justice is established at all levels.

Study of the holy Quran and the Sunnh make it evidently clear that in the formation of Islamic state this principle of balance is present in every respect. Together with this, Islam also provides a code of conduct to guide the behavior of those who are appointed to implement law and justice in society i.e. judges. Judiciary is the most important element and the central axis in Islamic system of governance. The object of this research is to give a clear, accurate and simple account of the rules and regulations of administration of justice in Islam as found through investigative study of Fiqh, Islamic judicial history and other sources.

In this article, where the formation and role of judiciary in the Islamic state will be reviewed, the structural creation of the

administrative institutions related to the justice system, their importance and the practical role played by these institutions in eradicating crimes and establishing justice and equity appoint and appropriateness of persons to run these institutions will be discussed, and in this perspective an overview of judicial model of Azad Kashmir is taken. The judicial model of Azad Kashmir is unique in this regard that here steps are taken to implement the Islamic judicial system and sharia. In Azad Jammu and Kashmir the administrative structure of Islamic judicial system is present. If we make it more disciplined and effective then implementation of complete Islamic judicial system is possible.

***Key Words**: Islamic judicial system, institutes, judicial model of Azad Kashmir*

ابتدائیہ

کسی بھی معاشرے کی بقاء کا انحصار اس امر پر ہے کہ اس کے تمام عناصر کے باہمی تعلقات اور ربط وضبط میں توازن پایا جائے۔ جب بھی کوئی اجتماعیت و معاشرہ اس فطری اصول توازن سے منحرف ہو جائے تو وہ اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ یہ اصول ہر معاشرے، ملک و ملت اور قوم کے لیے یکساں ہے۔ انسانی اجتماعیت میں باہم اختلافات و تنازعات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ معاشرے اور اجتماعیت کی تنظیم اسی لیے معرض وجود میں آتی ہے۔ کہ وہ افراد معاشرہ کے باہمی حقوق اور فرائض کے توازن کو یقین بنائے یہ تنظیم ریاست و حکومت کہلاتی ہے۔ اور اسلامی حکومت اور ریاست کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عدل قائم کرے۔ اسلام نظام عدل کے ذریعے معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پہ رکھتا ہے۔ اس نظام کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر سطح پر ہمہ پہلو عدل کا اہتمام کیا جائے۔ قرآن کریم اور سیرت طیّبہ کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کی تشکیل میں یہ اصولِ توازن بدرجہ اتم موجود ہے۔ انسانی معاشرے کو فطرت کے اس اصول توازن کے تحت اجتماعی نظام چلانے کے لیے مختلف اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے۔ نظام عدل و قضاء ان میں سے ایک اہم ادارہ ہے۔ صیغہ قضاء (عدلیہ) اسلامی حکومت، کا اہم ترین رکن اور اسلامی نظام حکومت کا محور و مرکز ہے۔ عدالتی ادارے باہم دِگر کچھ اس طرح لازم ملزوم ہیں کہ ہر ادارہ دوسرے کی لازمی ضرورت اور معاون ہے اور سب مل کر ایک اکائی بن جاتے ہیں۔ ان کا مقصد عدل کا قیام، حقوق کی بحالی، جان ومال کا احترام، شرعی احکام کی تنفیذ، معاشرے میں بھلائی کا قیام اور پھیلاؤ، برائی کا خاتمہ اور اس کے اسباب کا سدِ باب ہے۔ اس طرح معاشرہ دنیوی کامرانیوں اور ترقیوں کو حاصل کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اخروی سعادت سے بھی ہمکنار ہو گا۔

اس مقالے میں جہاں اسلامی نظام عدل کے اصول، خدوخال اور مختلف اداروں کا جائزہ لیا ہے وہاں اس کے تناظر میں آزاد کشمیر کے عدالتی ماڈل کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ آزاد جموں وکشمیر ماڈل اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہاں اسلامی نظام عدالت کے نفاذ کے لیے اقدامات کیے گیے ہیں اور ایک منفرد عدالتی ڈھانچہ موجود ہے جسے مزید منظّم اور موثر بناتے ہوئے مکمل اسلامی نظام عدالت کے نفاذ کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔

1.1. عدل کا مفہوم:

اردو میں ہم جن معنوں میں انصاف کا مفہوم ادا کرتے ہیں ان کے لیے قرآن حکیم میں ''عدل'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہ میں بھی اس مفہوم کے لیے عدل لفظ ہی مستعمل ہے۔قرآن مجید کسی خاص اور رویئے کے لیے کوئی خاص اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ تو لازماًاس کے مفہوم کی حقیقی روح اسی اصطلاح میں ہی پنہاں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم یہاں اس اصطلاح اور اس میں پوشیدہ مفاہم پر ہی بحث کریں۔

عدل اصل میں عربی لفظ ہے۔اردو میں اس کا معنی ''انصاف'' انگریزی میں "Justice" کہا جاتا ہے۔ عربی زبان میں عدل، یعدل سے مصدر کا صیغہ ہے اس کا مادہ (ع، د، ل) ہے جس میں برابری، توازن کے معنی پائے جاتے ہیں۔

لسان العرب میں ہے: **عدل، انه مستقیم وهو ضدالجور، العدل: من اسماء الله هوالذی لا یمیل به الهوٰی ، العدل الحکم بالحق(1)**

(عدل،اس کا معنی سیدھا اور یہ ظلم کی ضد ہے۔ عدل لفظ اللہ کے ناموں میں سے ہے یعنی وہ خواہشات کی طرف مائل نہیں ہوتا، عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے کو کہتے ہیں)۔

امام جرجانیؒ کا کہنا ہے:

العدل الأمر المتوسط بین الإفراط والتفریط۔ (2) عدل افراط و تفریط کے درمیان متوسط کام کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: **أَوْ عَدْلُ ذٰلِکَ صِیاماً لِیَذُوقَ وَبالَ أَمْرِه**(3) یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ اپنے کیے کی سزا چکھے۔

عدل (بالفتح) کے معنی قیمت، فدیہ، مرد صالح اور حق وانصاف کے ہیں۔(4) عدل ''فدیہ'' کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔(5) اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: **وَ لا یُقْبَلُ مِنْها شَفاعَةٌ وَ لا یُؤْخَذُ مِنْها عَدْلٌ وَ لا هُمْ یُنْصَرُون**(6) اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے گی اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا۔

عدل حق کے ساتھ فیصلہ کرنے، یہ ظلم کا متضاد ہے گویا کہ کسی چیز کا اس کی حقیقی درست مقام پر رکھنا ہی عدل ہے۔ عدالت میں مدعی اور مدعی علیہ کے جائز حقوق کا تعین کر کے انہیں یہ حقوق عطاء کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی لیے عدل کے ساتھ اس نسبت کی بناء پر اسے عدالت کہا جاتا ہے۔

اسلامی قانون کے ذخیرہ میں عدل وانصاف کے مفہوم میں ایک دوسری اہم اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ وہ ''قضاء'' ہے جس کے معنی ہیں عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا، اسلامی نظام حکومت میں عدلیہ کے لیے خاص طور پہ یہی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اس لیے آگے چل کر ہم اس کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ اور اسی کے تناظر میں نظام عدل و قضاء کے خدوخال پر بحث کرنے کی کوشش کریں گے۔

1.2 قضاء کا مفہوم:

عربی زبان میں قضاء کا لفظ کثیر المعانی اصطلاح ہے، یہ قرآن حکیم میں درجہ ذیل مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے:

1۔ **حکم اور امر کے لیے:** **وَقَضَی رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُواْ إِلاَّ إِیَّاهُ**(7) (اور تیرے پروردگار نے حکم دیا ہے کہ نہ عبادت کرو اس کے سوا کسی کی)

2 ۔ **ارادہ اور فیصلہ کیلیے:** وَإِذَا قَضَى أَمْراً فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ (8) اور جب وہ (اللہ) کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے، تو فرماتا ہے "ہو جا" تو وہ امر ہو جاتا ہے)

3۔ **تقدیر و پیدائش کیلیے:** فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ (9) (پیدا کیے (برابر فرمائے) سات آسمان دو یوم میں)۔

4۔ **پورا کرنے کے لیے:** اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا (10) (مگر ایک خواہش تھی یعقوب کے دل کی جس کو انہوں نے پورا کیا)

5۔ **تکمیل (سپرد کرنا):** و قَضَيْنا إِلَيهِ ذلكَ الأَمرَ (11) (اور ہم نے سپرد کر دیا اس کی جانب اس امر کو)

6۔ **فیصلے کے لیے:** ثم لا يَجِدُوْا فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ (12) (پھر اپنے دلوں میں اس فیصلے سے تنگی نہ پائیں جو آپ نے کیا ہو)

7۔ **قطعیت کے لیے:** فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ (13) (جب ہم نے قطعی کر دیا ان کے اوپر موت کو)

8۔ **تمام کرنا، ختم کرنا:** فَلَمَّا قَضى مُوسَى الاجَلَ (14) (جبکہ پورا کر لیا موسیٰ نے معیاد کو)

9۔ **اٹل:** قُضِيَ الأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ (15) (اٹل ہو گیا وہ امر جس کے متعلق تم دونوں نے معلوم کیا تھا)

ان سب میں جو مفہوم مشترک ہے وہ " کسی چیز کے مکمل اور حتمی طور پر طے کر دینے یا ختم کر دینے کے ہیں" اس کے عام معنی حکم اور فرمان کے ہیں اور یہی اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں قضاء سے مراد حاکم یا حکومت کے مقرر کردہ کسی ادارے کی طرف سے کتاب سنت واحکام شرعیہ کی روشنی میں لوگوں کے تنازعات کا تصفیہ کرنا ہے۔ یا عدالت و حکم کا وہ فیصلہ جو اس نے کسی ایسے معاملے میں کیا ہو جو اس کے نزدیک ثابت ہو چکا ہو۔(16)

2۔ اسلامی ریاست میں نظام عدل و قضاء کی اہمیت:

انسانی اجتماعیت میں باہم اختلافات و تنازعات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، معاشرے اور اجتماعیت کی تنظیم اسی لیے معرض وجود میں آتی ہے کہ وہ افراد معاشرہ کے باہمی حقوق اور فرائض کے توازن کو یقینی بنائے یہ تنظیم ریاست وحکومت کہلاتی ہے۔ اسلامی حکومت اور ریاست کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عدل قائم کرے۔ اسلام نظام عدل کے ذریعے معاشرے کے تمام عناصر کو اپنے اپنے مقام پہ رکھتا ہے، اس نظام کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر سطح پر ہمہ پہلو عدل کا اہتمام کیا جائے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ (17) (اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ کرو خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو)

اللہ تعالیٰ نے ہر معاملے میں عدل قائم کرنے پر زور دیا ہے۔ اس کے متعلق رسول ﷺ کو حکم دیا گیا ہے:

"مجھے تمہارے درمیان انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔"(18) اور جب بھی تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔(19)

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا،اعدلوا هُوَ أقرب للتقوى (20)

(اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث عدل کو ہرگز نہ چھوڑو، عدل کرو یہی تقویٰ کے بہت زیادہ قریب ہے۔)

قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ (21) (اور کہہ دے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے)۔

عدل و قضاء کا قیام حاکم و حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"اے داؤد: ہم نے تم کو زمین پر خلیفہ (نائب اور حاکم) بنایا ہے۔ پس لوگوں میں حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے رہنا۔ اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی مت کرنا۔ (اگر ایسا کرو گے تو) وہ خدا کے راستے سے تم کو بھٹکا دے گی۔ جو لوگ خدا کے راستے سے بھٹکتے ہیں۔ ان کے لیے سخت عذاب ہوگا اس وجہ سے کہ وہ روز حساب کو بھولے رہے"۔ [22]

اس آیت سے اسلام کے سیاسی و قانونی نظام میں عدل گستری کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو خلافت الٰہی اور نیابت خداوندی کی ذمہ داریاں سپرد کرنے کے ساتھ ہی جو سب سے پہلا فریضہ ان پر عائد کیا وہ لوگوں کے مابین حق و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کا حق تھا۔ اسی وجہ سے مفسرین نے لکھا ہے کہ اسلامی نظام عدل کا قیام اسلامی ریاست کے اولین فرائض میں سے ہے۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کے لیے یہ چیز فرض عین کا درجہ رکھتی ہے۔ کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق ایک ایسی عدلیہ قائم کرے جو لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کی ذمہ داریاں پوری کرے۔ دوسری طرف عامۃ المسلمین کے لیے یہ چیزیں فرض کفایہ کا درجہ رکھتی ہے۔ اگر کسی ملک میں عدالتیں قائم نہ ہوں یا قائم تو ہوں مگر اسلامی عدل کی بنیاد پر فیصلے نہ کر رہی ہوں تو پوری امت مسلمہ گناہ گار ہوگی۔

احادیث میں بھی عدل کی بہت زیادہ اہمیت پائی جاتی ہے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فإن عدلوا فلأنفسهم وإن ظلموا فعليها[23] (اگر وہ انصاف کریں تو ان کے لیے فائدہ مند ہے اور اگر ظلم کریں تو ان کے لیے وبال جان ہے)۔

لوگوں کے درمیان صلح کروانے اور ان کے درمیان انصاف کرنے والے کے بارے میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يعدل بين الناس صدقة[24] (لوگوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے)۔

حکمران کے بارے میں حدیث میں آتا ہے: **فإذا عدل كان له الأجر**[25] (جب وہ عدل کرے تو اس کے لیے اجر ہے)۔

3. اسلامی نظام عدل و انصاف کے اصول:

احادیث اور سیرت کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محسن انسانیت ﷺ نے ایک طرف تو جرم کی سزا کی تنفیذ کی سختی سے تاکید فرمائی تو دوسری طرف آپس کے معاملات میں جن کا تعلق انفرادی زندگی سے تھا، عفو و در گزر کی تعلیم دے کر معاشرہ میں جماعت اور افراد دونوں کو استحکام بخشا اور نظام عدل کو ایسے بنیادی اصولوں سے نوازہ جو عالم گیر اہمیت کے حامل ہیں۔

1۔ اصل قانون ساز اللہ تعالیٰ:

رب کائنات ہی حکمران حقیقی ہے اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد بار بیان کیا گیا اور اتنی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ پُر زور الفاظ کسی بات کی اہمیت کو واضح کرنے کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنِ الْحُكْمُ إِلا لِلَّهِ أَمَرَ أَلا تَعْبُدُوا إِلا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ [26]

(حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں اس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی اور اطاعت نہ کرو۔

یہی صحیح طریقہ ہے)۔

یہ اصول اسلامی ریاست کا بنیادی نظریہ ہے۔

2۔ قانون سازی میں رسول ﷺ کی حیثیت:

نبی کریم ﷺ نے بطور منصف انسانیت کے لیے عظیم اسوہ حسنہ چھوڑا ہے۔قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے۔ کہ اس نے نبی ﷺ کو قاضی مقرر کیا ہے کیونکہ آپ ﷺ اللہ کی جانب سے صرف حق بات ہی کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى، إِنْ هُوَ إِلاَّ وَحْيٌ يُوحَى[27] (اور جو کچھ کہتا ہے ہوائے نفس کی بناء پر نہیں کہتا)۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انی لا اقول الاحقا[28] (میں فی الواقع حق کے سوا کچھ نہیں کہتا)۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے مقدمات میں اللہ سے انصاف طلب کریں۔ اللہ سے انصاف طلب کرنے سے مراد یہ کہ اس کے رسول ﷺ کو مقدمات اور تنازعات کا فیصلہ کرنے کے لیے منصف تسلیم کیا جائے۔

"اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول اور جو تم میں حکمران ہیں ان کا حکم مانو۔ پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا ہو تو اللہ اور رسول ﷺ کے حضور رجوع کرو۔ اگر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اچھا ہے"۔[29]

اس آیت مبارکہ میں حضور ﷺ کو سب سے بڑا انتظامی اور عدالتی اختیار تفویض کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کے احکامات اور فیصلوں کی اطاعت حکم الٰہی اور مسلمان کے ایمان کی نشانی بھی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان منافق اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا ہوا۔ مسلمان منافق نے کہا چلو کعب ابن اشرف سے فیصلہ کرائیں گے، یہودی نے کہا نہیں رسول ﷺ کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے۔ وہ مسلمان منافق (مجبوراً) آمادہ ہو گیا اور دونوں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا۔ حضور ﷺ نے (فریقین کے بیانات سن کر) یہودی کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ اس منافق مسلمان حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فیصلہ کروانے چلا گیا، یہودی نے حضرت عمر کو بتایا کہ اس کا فیصلہ اس سے قبل رسول اللہ ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس منافق مسلمان سے پوچھا، کیا یہ سچ کہتا ہے واقعہ یہی ہے؟ منافق نے کہا''ہاں ٹھیک ہے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: تم ذرا ٹھہرو میں ابھی آ کر فیصلہ کرتا ہوں''اور گھر سے برہنہ تلوار لے کر آئے منافق کی گردن اڑادی اور فرمایا: ''جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو قبول نہ کرے میں اس کا فیصلہ اسی طرح کیا کرتا ہوں'' روایات میں ہے کہ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔ رسول ﷺ نے اسی واقعہ پر طاغوت کے مقابلہ پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام فاروق رکھ دیا۔[30]

3۔ مجلس شوریٰ:

جدید علم سیاست میں جس ادارے کے مقنّنہ یا قانون ساز ادارہ کہا جاتا ہے علوم اسلامیہ کی قدیم اصطلاح میں اس کو اہل حل و عقد بھی کہا جاتا تھا۔ اسلام میں مجلس شوریٰ یا مقنّنہ صرف ان مسائل و معاملات کے سلسلہ میں قانون وضع کرنے کی مجاز

ہو گی، جن کے بارے میں قرآن و سنت میں واضح احکام موجود نہ ہوں۔ یہ قانون سازی جس طرح عام نہ ہو گی اسی طرح آزاد بھی نہ ہو گی، بلکہ دین کے مزاج اور شریعت کی مقررہ حدود کے تحت ہی ہو گی، صرف کتاب و سنت کے واضح احکام کو سامنے رکھ کر انہی کی بنیاد پر کی جائے گی۔

عن علي رضي الله تعالىٰ عنه قال: سئل رسول الله عن العزم قال مشاورة اهل الرأي ثم اتباعهم(31)

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ سے عزم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اہل الرائے سے مشورہ کرنا اور پھر ان کی پیروی کرنا)۔

4۔ تعزیرات کا نفاذ:

فوجداری جرائم کی سزائیں صرف اسی حال میں نافذ کی جائیں، جب معاشرہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاطر خواہ اہتمام موجود ہو اور حالات معمول پر ہوں۔ جب معاشرہ میں نفاذ اسلام کے لیے سازگار حالات پیدا نہ کر دیئے جائیں یا یہ کہ حالات ایسے غیر معمولی ہوں جن میں ارتکاب جرم کے محرکات ترقی پذیر ہوں تو سزاؤں کی انتہائی حد کا نفاذ رکا رہے گا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک بار شکایت آئی کہ حاطب کے غلاموں نے مزنی کا اونٹ چرا کر ذبح کر کے کھالیا، حاطب کو طلب فرما کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا تو غلاموں کو بھوکا رکھتا ہے۔ پھر فرمایا غلاموں کو سزا دینے سے بہتر یہ ہے کہ تم کو گراں بار کیا جائے۔ مزنی سے پوچھا تیرے اونٹ کی کیا قیمت تھی اس نے کہا کہ لوگوں نے چار سو درہم لگائے تھے، مگر میں اس میں فروخت کرنے کے لیے راضی نہ تھا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاطب سے فرمایا کہ جاؤ اس کے اونٹ کے آٹھ سو درہم دے دو۔

قاضی پر لازم ہے کہ وہ قرآن اور سنت کے مطابق فیصلہ کرے اور عدل و انصاف سے کام لے، عدل و انصاف سے فیصلہ کرنے کا حکم کسی کی خواہشات پر چلنے کی نفی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی وضاحت اس آیت میں فرمادی:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ(32)

(مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو)

عدل میں حرص یا خواہشات کا خواہ وہ اپنی ہو یا کسی اور کی دخل نہیں ہونا چاہیے۔ حاکم کو شہادتوں کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے۔

4۔ نظام عدالت میں منصب قضاء:

قضاء ایک اہم فریضہ ہے۔ صحابہ کرام اور تابعین نے خود یہ کام کیا اور بعد میں بھی اسلامی مملکت میں ہر دور میں یہ قائم رہا ہے۔ قضاء ایک نہایت باعزت منصب ہے اس کا احترام اور تعظیم فرض ہے۔ کیونکہ یہ مقاصد نبوت ہی سے ایک اہم مقصد کی بجاآوری کا منصب ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ بھی اس منصب پہ فائز رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لا حَسَدَ إلا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالا فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا(33)

(صرف دو چیزیں ایسی ہیں جن میں حسد کیا جا سکتا ہے، ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے

نوازا ہو اور حق کے راستہ میں اس کو خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی سے نوازہ، وہ اس کے مطابق فیصلے بھی کرتا ہو اور لوگوں کو اس کی تعلیم بھی دیتا ہو۔)

4.1 منصب قضاء (قاضی/جج):

قاضی سے مراد وہ شخص ہے"جو کسی معین معاملے میں حکم دے مقدمات کو نپٹانا اور جھگڑوں کو ختم کرنا" منصب قضاء یا قاضی کے معنی میں شامل ہے۔

فصل الخصومات وقطع المنازعات[34] (جھگڑوں اور تنازعات کا فیصلہ کرنا)

قضاء ایک ایسی اعتباری صفت ہے جو اپنے موصوف کے حق میں اس کے شرعی احکام کے نافذ العمل ہونے کو لازمی کر دیتی ہے۔ قضاء سے مراد خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ بن کر کتاب وسنت کے ذریعے مخلوق کے مابین خالق کے اوامر اور احکام کو ادا کرنا۔

مختصراً یہ کہ! قاضی وہ شخص ہے جس کو سربراہ مملکت وحاکم کی جانب سے لوگوں کے باہمی خصومات و تنازعات کا شرعی احکامات کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے مقرر کیا جائے۔

4.2 منصب قضاء کی حساسیت:

ایک طرف انتہائی باوقار، محترم منصب ہے لیکن دوسری طرف منصب قضاء/اپنی نوعیت کے اعتبار سے انتہائی نزاکت کا حامل اور حساس منصب یہی ہے کیونکہ عدل کے ساتھ فیصلے کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ احادیث کی ایک کثیر تعداد ہے جس میں اس منصب کی نزاکت کو بیان کیا گیا ہے۔

رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ وَلِيَ الْقَضَاءَ فَقَدْ ذُبِحَ بِغَيْرِ سِكِّينٍ[35] (جس شخص کو منصب قضاء پر مقرر کیا گیا اس کو گویا بغیر چھری ذبح کر دیا گیا۔)

منصب قضاء کی اہمیت اور نزاکت کی طرف اشارہ ہے اس منصب کی ذمہ داریاں اس قدر زبردست ہیں کہ ان کو پورے طور پر کماحقہ انجام دینا ایسا ہی پرمشقّت اور تکلیف دہ اور جان گسل کام ہے جتنا بغیر چھری کے ذبح کیا جانا، لہٰذا جو لوگ اس منصب کو قبول کریں ان کو اس راہ کی مشکلات کا پہلے سے خوب اندازہ کر لینا چاہیے اور اس کے لیے تمام ضروری تیاریاں بھی کر لینی چاہئیں۔ اس حدیث کو معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، امام احمد دار قطنی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِي الْعَدْلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَاعَةٌ يَتَمَنَّى أَنَّهُ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِي تَمْرَةٍ وَا [illegible]دَةٍ قَطُّ[36]

(عادل و انصاف پسند قاضی کو بھی قیامت کے روز ایک ایسی گھڑی سے سابقہ پڑنا ہی ہے جس میں وہ یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے کبھی ایک کھجور کے معاملہ میں بھی دو آدمیوں کے درمیان کوئی فیصلہ نہ کیا ہوتا)

قاضیوں سے روز قیامت جو سخت ترین حساب کتاب لیا جائے گا اس کا اس حدیث سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

4.3 منصب قضاء: اہلیت وشرائط:

منصب قضاء کی نزاکت اور حساسیت کے پیش نظر مفکرین آئمہ کرام نے قرآن واحادیث کی روشنی میں قاضی کے لیے اہلیت وشرائط کے حوالے سے بہت دیدہ ریزی سے کام لیا ہے۔ علامہ الماوردیؒ جنہیں اسلامی سیاسیات کا امام تصور کیا جاتا ہے نے قاضی (جج) میں مندرجہ ذیل اہلیت وشرائط کا پایا جانا ضروری قرار دیا ہے۔[37]

1۔ بالغ مرد ہو:

قاضی کے منصب کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور بالغ ہو، اسی طرح الماوردی عورتوں کو اس منصب پر فائز کرنا مناسب تصور نہیں کرتے، سیّد مودودی کی رائے بھی یہی ہے[38] امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدود و قصاص کے مقدمات کے علاوہ عورت دیگر معاملات میں فیصلہ دے سکتی ہے لیکن یہ رائے بھی ایک خاص ماحول کی عکاس ہے۔

اصولی طور پر عورت نماز باجماعت کے لیے مسجد میں جا سکتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں جاتی بھی رہی۔ لیکن ماحول میں ذرا تبدیلی آئی تو خلفائے راشدین کے دور میں عورتوں کا مسجد میں جانا موقوف کر دیا گیا۔ اسی طرح عورتوں کو مختلف مناصب تفویض کرنا اصولی لحاظ سے تو شاید درست ہو لیکن امر واقعہ کے طور پر یہ بڑی نزاکت کا کام ہے جس پر آج کل بہت غور و خوض کی ضرورت ہے، ماحول اور معاشرے میں اس قدر فساد پھیل چکا ہے کہ عورتوں کو اس بھاری ذمہ داری سے الگ ہی رکھا جائے تو یہ خود عورتوں کے حق میں بہتر ہے جو افراد اور تنظیمیں اسے عورتوں کے ''حقوق'' سے مربوط کرتے ہیں وہ اسلامی تعلیمات کو اپنی جزئیات کے ساتھ پڑھیں کیونکہ خشیت الٰہی کے جذبے سے معمور ہو کر اور آج کل کے حالات کو ذہن میں رکھ کر منصب قضاء کے بارے میں بیان کردہ احادیث کا دوبارہ جائزہ لیا جائے تو یہ منصب حق یا استحقاق سے زیادہ طوق معلوم ہو گا۔ ایسے ہی یہ منصب صنف نازک کو تفیض کرنا کسی طور پر بھی مناسب نہیں ہو گا، عورتوں کے لیے ریاست میں دوسرے مناصب جو ان کے حسب حال ہوں تفویض کیے جائیں تو یہ خود عورت کے لیے بہتر ہے۔

2۔ دور اندیش، سمجھدار، غفلت اور بھولنے کے مرض سے محفوظ ہو:

یہ ساری صفات خداد ہیں اہل فراد میں ان خوبیوں کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ہر منصب کے لیے پہلے سے طے شدہ رہ نما اصول سامنے رکھے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر اہل افراد کو منتخب کیا جاتا ہے۔ یہ شرط وہاں عائد ہوتی ہے جہاں فریقین مسلمان ہوں۔ غیر مسلموں کے لیے ان ہی میں سے قاضی مقرر کیا جا سکتا ہے، یہ رائے امام ابو حنیفہ کی ہے۔ امام ماوردی کی رائے میں اسلامی ریاست میں غیر مسلم قاضی بن ہی نہیں سکتا۔[39] ان کا خیال ہے کہ غیر مسلموں کے مقدمات کے لیے اکثر سلاطین نے انہی میں سے سردار (حاکم) مقرر کر رکھے تھے جنہیں قاضی کا ہم منصب سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ حاکم یا سردار غیر مسلموں کے مابین فیصلے کرنے کے مجاز تھے لیکن اگر کوئی ان کے فیصلوں کو تسلیم نہ کرتا تو مقدمہ مسلم قاضی کی عدالت میں آجاتا تھا کیونکہ قوت تنفیذ اسی کے پاس ہوتی تھی۔ للذا اس صورت میں شریعت (Low of the Land) کا فیصلہ نافذ ہوتا تھا، یہ رائے زیادہ وقیع معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب فریقین میں سے کوئی ایک خود اپنے دین دھرم سے ہٹ کر شریعت کے فیصلے قبول کرنے پر آمادہ ہے تو اسے یہ حق ملنا چاہیے کہ مملکت کے قانون کے تحت فیصلہ لے اور زندگی گزارے۔

3۔ صفت عدالت:

صفت عدالت سے مراد یہ ہے کہ قاضی سچ بولتا ہو، امانت و دیانت کے اصول پیش نظر رکھتا ہو، نیک سیرت ہو اور بے داغ ماضی رکھتا ہو، جذباتی نہ ہو، خوشی اور غم میں معتدل رویہ اختیار کرتا ہو، اور اس کی عام شہرت اچھی ہو۔ یہ صفات گواہ کے لیے ہیں، یہی صفات حاکم کے لیے ہیں اور یہی قاضی کے لیے مطلوب ہیں۔ ان سے نہ انکار کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کے بغیر عدل کا قیام ممکن ہے۔ یہ سب صفات آج بھی تمام عہدوں کے لیے اتنی ہی ضروری ہیں جتنی ماوردی کے زمانہ میں تھیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ منصب قضا پر فائز کیے جانے

والے تمام متوقع افراد ان شرائط کی کڑی چھلنی میں سے گزارے جائیں۔

4۔ سلیم الاعضاء ہو:

اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی کے تمام جسمانی اعضاء درست حالت میں ہوں، خاص طور پر سننے اور دیکھنے کی صلاحیتیں موجود ہوں۔ باقی اعضاء جیسے ہاتھ پاؤں کے بارے میں بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ ان درست ہونا قاضی کے لیے شرط نہیں کیونکہ یہ قضاء کے عمل میں کوئی کردار ادا نہیں کرتے۔ لیکن ماوردی کے خیال میں قاضی کے لیے مطلوب وقار اور تمکنت کے پیش نظر ان اعضاء کا صحیح سالم ہونا بھی ضروری ہے۔ اور یہی رائے اقرب الی الصواب ہے۔

5۔ شرعی علوم کے اصول (Principles) اور جزئیات کا علم:

یہ شرط بڑی اہم ہے اس کا سمجھنا ان لوگوں کے لیے خاصا دشوار ہے جن کا تعلیمی پس منظر فقہی نہ ہو۔ ملک کے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی بڑی تعداد فقہی مسائل کو بالعموم عبادات ہی سے متعلق سمجھتی ہے۔ عربی زبان بھی ابھی تعلیمی اداروں میں عام نہیں ہوئی، اس لیے بہت سے لوگ اسلامی قانون کا تعارف اس طرح حاصل نہیں کر پائے۔ جس طرح وہ انگریزی قانون سے واقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی قانون کو سمجھنے کے لیے اصول فقہ کا جاننا از حد ضروری ہے۔ یہ منصب قضاء کا اہم سبق ہے۔ جس کے سیکھنے کے بعد ہی مسائل کی جزئیات سمجھی جا سکتی ہیں۔

ماوردی کے خیال میں غیر مجتہد فرد کو قاضی بنایا جائے تو اس کا تقرر باطل ہے غالباً یہ رائے ایک خاص عہد کی ترجمان ہے۔ مجتہد کی تعریف بھی ماوردی کی اپنی ہی ہے جس کے مطابق قرآن وسنت، اجماع اور قیاس کا علم رکھنے والا فرد مجتہد ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسی تعریف کو درست مان لیا جائے تو اس کے اندر رہتے ہوئے ہی قاضی کا انتخاب درست ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک غیر مجتہد کے لیے قاضی بننا درست ہے۔ دراصل یہاں بھی مجتہد کی تعریف کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوا۔ مجتہد کی فقہی تعریف امام صاحب کے نزدیک ذرا مختلف ہے جس کے تحت وہ قاضی کی تقرری کے لیے مجتہد کے مقابلہ میں قدرے نرم شرائط بیان کرتے ہیں۔ لیکن ماوردی کی مجتہد کی تعریف پہلے ہی بہت نرم ہے۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو مجتہد قرار دے کر ماوردی اسے قاضی مقرر کر رہے ہیں۔ امام صاحب کے نزدیک وہ شخص غیر مجتہد ہے۔ اس لیے شرائط کا یہ اختلاف تعریف کے باعث ہے ورنہ دونوں نے ایک ہی بات بیان کی ہے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کے نزدیک قاضی میں درجہ ذیل خصوصیات کا بھی پایا جانا ضروری ہے اور ان میں سے ان کے نزدیک اگر ایک بھی صفت کم ہو تو قضاء کا عمل متاثر ہوتا ہے۔[40]

1۔ سابقہ فیصلوں سے باخبر ہو:

یہ شرط اس دور کی ہے جب سابقہ فیصلوں سے مراد رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے فیصلے تھے۔ انہی فیصلوں کی روشنی میں قاضی فیصلے سناتے تھے۔ عہد جدید میں اس شرط کے وجود سے انکار ممکن نہیں کیونکہ اعلیٰ عدالتوں کے فیصلے ماتحت عدالتوں کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں یہ شرط آج بھی عدالتی طریقہ کار کا لازمی حصہ ہے۔

2۔ اہل علم سے مشورہ کرتا ہو:

وکلاء کی حیثیت اس حوالے سے آج کل اہل علم ہی کی ہے۔ جن سے عدالتیں مشورہ کرتی ہیں۔ لیکن وکلاء کی خدمات کی

بہم رسانی کے طریقہ میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ تاکہ اس کا بار فریقین پر نہ پڑے۔ تاوقتیکہ وہ خود اس پر رضامند نہ ہوں۔ وکلاء کے علاوہ مفتیان کرام سے بھی عدالتیں مشورہ کرتی ہیں۔ ڈاکٹر، ماہرین تحریر اور دوسرے ماہرین فن بھی اس ذیل میں آتے ہیں۔

3۔ لالچی اور حریص نہ ہو:

اسلامی نظام عدل میں یہ شرط پوری کرنے کے لیے دو ذرائع استعمال ہوتے ہیں۔ اول تو افراد کے انتخاب ہی میں یہ شرط سامنے رکھی جاتی ہے کہ کوئی ایسا شخص منتخب نہ ہو۔ اس کے بعد بشری کمزوریوں سے قاضی کو بچانے کے لیے اس کا مشاہرہ اتنا کافی ہوتا ہے کہ اس کی تمام ضروریات اسی سے بخوبی پوری ہو جاتی ہے۔

4۔ حلم، اور تحمل مزاجی:

یہ ذاتی اور وہبی خوبی ہے جو اللہ کی طرف سے بعض افراد کو ودیعت کی جاتی ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ منصب قضاء پر فائز کیے جانے والے افراد میں یہ خوبی تلاش کرے۔ اس کی صفت تحمل مزاجی سے مراد یہ ہے کہ مقدمہ کے دوران کسی تنقید اور ملامت کی پرواہ نہ کرے۔ کوئی کچھ کہہ بھی دے تو اس کا بالکل اثر نہ لے اور فیصلہ وہی کرے جو حق کے مطابق ہو۔ تحمل سے مراد یہ بھی ہے کہ ماحول، موسم اور حالات کا اثر قاضی پر مطلّقاً نہ پڑے۔

5.1 قاضیوں کا تقرر:

قاضی کے تقرر کے معاملہ میں بنیادی کردار سربراہ حکومت کا ہے جو امت پر خلیفہ مقرر کیا گیا ہے قاضیوں کا تقرر اور عدالتوں کا قیام اس کے لیے فرض عین کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی دو وجوہ ہیں۔

1۔ ایک یہ کہ نظام قضاء کا قیام بطور سربراہ مملکت اس کے دائرہ اختیار میں آتا ہے۔

2۔ دوسرے یہ کہ قاضیوں کے تقرر کا اختیار اس کو حاصل ہے۔

اس معاملہ میں سربراہ مملکت کے لیے توقف کرنا جائز نہیں کہ جب مطالبہ کیا جائے تو عدالتیں قائم کر دی جائیں۔ اس لیے کہ یہ چیز عوام کے ان حقوق سے ہے جن کی بہر حال نگہداشت اسلامی حکومت کا فریضہ چاہیے۔ اس سلسلہ میں ثانوی و فروعی حیثیت صوبائی اور علاقائی قاضی کی ہے۔ اگر وہ اپنے ماتحت تمام علاقوں کے عدالتی معاملات کو خود دیکھ بھال نہ کر سکے۔ تو جن معاملات میں وہ براہ راست دیکھ بھال کرنے پر قادر نہیں ہے ان کے لیے دوسرے قاضیوں کا تقرر کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔[41]

اگر کوئی بااختیار حکمران یا اس کا نائب کسی فاسق کو قاضی مقرر کر دے اور وہ لوگوں کے درمیان اپنے فسق کے مطابق فیصلے کرنے لگے تو یہ فیصلے کسی طور پر بھی نافذ العمل اور واجب التعمیل شمار نہیں ہوں گے۔ یہ عراق اور مرو کے (شافعی) فقہا کی بھی رائے ہے۔ لیکن امام غزالیؒ کی رائے اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاں تک کسی فاسق یا جاہل کو قاضی بنا دینے کا تعلق ہے تو یہ یقیناً گناہ کا کام ہے، لیکن یہ گناہ حکمران کے ذمہ ہے۔ جہاں تک اس کے فیصلوں کا تعلق ہے تو اب چونکہ وہ قاضی ہو ہی گیا ہے تو اس کے فیصلے تو نافذ ہو کر رہنے ہیں۔[42]

اس لیے کہ اگر تمام شرائط کا جامع کوئی شخص دستیاب نہ ہو اور (اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر) مختلف علاقوں پر فاسق اور بدکار لوگ مسلط ہو جائیں تو جس شخص کو بھی اختیار حکمران قاضی مقرر کر دے گا۔ تو اصول ضرورت کے پیش نظر اس قاضی کے فیصلے نافذ العمل ہوں گے۔ جس طرح باغیوں کا (اور ان کے مقرر کردہ قاضی کا) فیصلہ نافذ العمل ہوتا ہے۔[43]۔ اگر متعدد لوگوں

میں قضاء کی شرائط یکساں طور پر پائی جائیں لیکن ان میں سے بعض لوگ منصب قضاء کے خود طالب ہوں اور بعض خود طالب نہ ہوں تو سربراہ مملکت کے لیے بہتر یہ ہے کہ طلبگار کو اس منصب پر مقرر نہ کیا جائے بلکہ غیر طلب گار کو مقرر کر دیا جائے، اس لیے کہ یہ زیادہ سلامتی کا راستہ ہے۔ لیکن اگر سربراہ مملکت غیر طلبگار کو چھوڑ کر طلبگار کو قاضی بنادے تو جائز ہے اور اس کا یہ تقرر صحیح ہوگا اگر اس نے طلب گار کی نیت پیش نظر رکھی ہو۔[44]

بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں قاضی کا تقرر خلیفہ وقت ہی کرتا تھا۔ بعض اوقات والی صوبہ کو لکھ دیا جاتا کہ فلاں شخص کو قاضی مقرر کر دیا جائے۔ کبھی تقرری کا اختیار عامل کو دے دیا جاتا۔ یحییٰ بن سعید کو بنی امیہ کے زمانے میں حیرہ کا قاضی بنایا گیا اور بنی عباس کے زمانے میں عراق کا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں یوسف بن محمد ثقفی کو عہدہ قضاء سپرد کیا گیا، کیونکہ خلفاء کی طرف سے علاقوں کے والیوں کو اپنی طرف سے قاضیوں کے تقرر کا اختیار تھا۔ یہ حالت ابو جعفر المنصور کے خلیفہ ہونے تک رہی۔ الماوردی نے تصریح کی ہے کہ قاضیوں کی تقرری اور ان کی علیحدگی سے متعلق عام اعلان ہوتا تھا۔

پاک و ہند میں قاضی القضاۃ کا تقرر خود سلطان کرتا تھا اور یہاں کے ہر شہر اور قصبہ میں قاضی مقرر ہوتے تھے۔ نیز مملکت کے نظم و نسق کا سب سے پہلا اور اہم فرض یہی سمجھا جاتا تھا کہ قاضیوں کا تقرر کیا جائے۔

5.2 قاضی کے اختیارات:

تنازعات اور جھگڑوں کا فیصلہ کرنے، صاحب حق کو اس کا حق دلانا، جنون اور بچپن کے وجہ سے جن کے تصرفات روک دیئے جائیں ان کے مالوں پر نگران مقرر کرنا او قاف کی نگرانی، وصیتوں کا نفاذ، بیوہ عورتوں کے ولی نہ ہوں اور ان کے رشتے آتے ہوں تو ہم کفو میں ان کا نکاح کرانا۔ جو لوگ حدود (سزاؤں کے مستوجب ہیں) ان پر ان کا جاری کرنا۔ اپنے امین اور شاہدوں کے جانچ پڑتال کرنا اور تصفیہ مقدمات میں زور آور، کمزور اور شریف، غیر شریف میں کوئی فرق نہ رکھے۔[45] امام ماوردی کے نزدیک: اسلامی دور میں اختیارات کے لحاظ سے قاضیوں کی دو قسمیں تھیں یعنی محدود اور غیر محدود اختیارات کے حامل ہر قاضی کی تقرری کے فرمان میں ان اختیارات کی صراحت کر دی جاتی تھی جو قاضی وسیع اختیارات کے ساتھ مقرر ہوتے، انہیں بعض اوقات انتظامی فرائض بھی سپرد کر دیئے جاتے۔[46] ان میں بعض اختیارات میں ولی کا تقرر موقوفہ جائیدادوں کا انتظام، قانون کی مقرر کردہ سزاؤں کا نفاذ اور تعمیل، وصیت سے متعلق امور کی نگرانی ماتحت قاضیوں اور عدلیہ کے دیگر عہدیداروں، شہود وامنا وغیرہ کی نگرانی اور نماز جمعہ کی امامت وغیرہ شامل تھے۔

5.3 سماعت مقدمہ اور فیصلہ:

مدعی اور مدعا علیہ:

فقہاء نے ان کی تعریفیں مختلف انداز میں کی ہیں۔ علامہ کاسانی کی تعریف یہ ہے: ''مدعی وہ ہے جو دوسرے کے قبضہ میں موجود کسی چیز کو اپنا بتائے اور مدعا علیہ وہ ہے جو اپنے قبضہ میں موجود کسی چیز کو اپنا ہی بتائے''[47]۔ مدعی وہ ہے جو اپنے ارادہ اور اختیار سے (عدالت میں) اپنی بات کہے اور مدعا علیہ وہ ہے جو مجبوراً اس کا جواب دے۔

5.4 دعویٰ کیسے دائر کیا جائے:

دعویٰ دائر کرنے سے قبل تحریری صورت میں مرتب کر کے عدالت میں جمع کرایا جائے۔ چنانچہ جب مدعی کا دعویٰ لکھ

لیا جائے تو اس پر تاریخ کی جگہ خالی چھوڑ دی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ جس تاریخ کو یہ دعویٰ لکھا جارہا ہو اس تاریخ کو دائر نہ ہو۔اسی طرح اس (فائل یا رجسٹر) میں جواب دعویٰ کے لیے خالی چھوڑ دی جائے اس لیے کہ یہ بات پیشگی معلوم نہیں ہو سکتی کہ مدعا علیہ دعویٰ کی صحت کا اقرار کرے گا یا انکار۔

پھر اگر مدعی کے پاس گواہ ہوں تو ان کے نام بھی (اس فائل یا رجسٹر وغیرہ میں لکھے جائیں اور ہر دو گواہان کے نام کے بعد خالی جگہ چھوڑ دی جائے تا کہ قاضی وہاں تاریخ مدعا علیہ کا جواب اور گواہوں کی گواہیاں خود لکھے۔[48]

دعویٰ کی صحت کے لیے بنیادی شرائط:

1۔ مدعی اور مدعا علیہ کا عاقل ہونا۔ 2۔وجہ دعویٰ یا بنائے دعویٰ کا معلوم و معروف ہونا۔

3۔ جائیداداور غیر منقولہ کے دعویٰ میں مدعی کا ذکر کرنا کہ وہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے۔4۔دعویٰ میں یہ بات شامل ہونا کہ مدعی نے بنائے دعویٰ کا مطالبہ کر دیا ہے۔5 ۔دعویٰ کا خود مدعی کی زبان سے ہونا الّا یہ کہ اس کو کوئی عذر ہو۔ 6۔ دعویٰ کمرہ عدالت میں پیش کیا جائے۔

7۔فریق ثانی کی موجودگی۔8۔دعویٰ کا باہم متناقض نہ ہونا۔9۔بنائے دعویٰ کا کوئی ایسی چیز ہونا جس کا ثبوت ممکن ہو۔[49]

دوران سماعت مقدمہ قاضی کے لیے ہدایات:

(1) قاضی دوران سماعت مقدمہ پوری صلاحیت فریقین کی گفتگو پر مرکوز رکھے۔ (2) فیصلہ کرتے وقت کسی پریشانی یا الجھن کا شکار نہ ہو۔

(3) قاضی تنگ دلی یا گھبراہٹ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ (4) غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔

(5) قاضی کو چاہئے کہ بھوک، پیاس اور امتلا یا اختلاج کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔ (6) چلتے ہوئے یا سواری پر کہیں جاتے ہوئے فیصلہ نہ کرے۔

(7) قاضی کو چاہیے کہ نشستوں کی ترتیب میں فریقین کے درمیان مکمل مساوات قائم رکھے۔(8) قاضی دیکھنے، بولنے اور تنہائی احتیاط کرے، دونوں فریقوں کے مابین مکمل مساوات قائم رکھے۔ (9) فریقین میں سے کسی ایک سے کوئی ہدیہ قبول نہ کرے۔ (10) لوگوں کی شخصی دعوتیں جن میں پانچ دس اشخاص ہی بلائے گئے ہوں قبول نہ کرے۔

(11) فریقین میں سے کسی ایک کو دلیل سمجھانے کی کوشش نہ کرے۔ (12) گواہ کو کوئی خاص بات کہنے یا نہ کہنے کی تلقین نہ کرے۔(13) گواہوں سے غیر متعلق اور لغو باتیں نہ کرے۔ (14) مسلمانوں کے نماز جنازہ میں شرکت کرے۔(15) قاضی کو چاہئے کہ جب فریقین کمرہ عدالت میں داخل ہوں تو ان کو سلام کرے۔ (16) حدود قصاص کے علاوہ دوسرے تمام مقدمات میں گواہ کے حال میں تحقیقات کرے[50]

مدعا علیہ سے قسم لینے کی صورتیں:

(1) انکار کی صورت میں، مدعی کے مطالبہ پر۔ (2) ثبوت کے موجود نہ ہونے کی صورت میں

(3) بنائے دعویٰ حقوق العباد میں سے ہو۔ (4) بنائے دعویٰ کا اقرار کیا جا سکتا ہو۔

(5) بنائے دعویٰ قابل دستبرداری ہو۔

اسلام کے عدالتی نظام میں کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لیے فریقین پر جرح کرنا ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام نے بھی اس طریقے کار کو اپنایا ہوا تھا۔ اور مقدمات کے تصفیئے میں جرح کے اصول کو اہمیت دیتے تھے۔

5.5 توہین عدالت پر سزا:

اگر کسی مقدمے کا کوئی فریق کسی دوسرے معاملے میں مشکلات پیدا کرے تو قاضی اس کو جھڑک سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس سلسلے میں کسی سزاء یا تعزیر کا مستحق ہو تو قاضی اس کو مناسب جسمانی، قید کی سزا تجویز کر سکتا ہے اور دے سکتا ہے۔ اگر مدعی کے بیان سے قبل مدعا علیہ از خو و ہی قسم کھانے لگے تو قاضی اس کو روک دے۔ اور اس سے کہہ دے کے ثبوت کی فراہمی تمہارے مخالف کے ذمہ ہے۔ اگر وہ اس کے باوجود اپنی بات جاری رکھے اور قسمیں کھائے تو قاضی اس کو مناسب سزا دے۔ اس طرح ہر وہ حرکت جس میں بد تمیزی یا عدالت کے ادب واحترام کی خلاف ورزی ہوتی ہو اس پہ اس کو حرکت کی مناسبت سے کوئی سزا دی جاسکتی ہے۔ اور معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔[51] لیکن عدالت کے وقار کو برقرار رکھنا بھی قاضی کی ذمہ داری ہے اس لیے ایسے معاملات کا نوٹس لینا چاہیے اور متعلقہ فرد کو عدالت کے احترام کا احساس دلانا چاہیئے۔

اسلامی نظام عدل وقضاء کے انتظامی ادارے:

اسلامی حکومت میں نظام عدل کے تین ستون ہیں۔

1۔ عام عدالتیں (دار قضاء) 2۔ ولایت/دیوان مظالم 3۔ احتسابی ادارہ (حسبہ)

یہ ادارے باہم دِگر کچھ اس طرح لازم ملزوم ہیں کہ ہر ادارہ دوسرے کی لازمی ضرورت اور معاون ہے اور سب مل کر ایک اکائی بن جاتے ہیں۔ جہاں تک عام عدالتیں یا ادارہ قضاء کا تعلق ہے اس کی وضاحت گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ یہاں پر ولایت مظالم اور ادارہ احتساب (حسبہ) سے متعلق ضروری تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

1۔ ولایت مظالم:

مسلم خلفاء کے ادوار میں دیوان مظالم صیغہ عدالت کے متعلقات میں سے تھا اور اس کے دائرہ اختیار میں عام طور پر وہ تمام مقدمات آتے تھے، جن میں خلیفہ یا سلطان کے رشتہ داروں، حکومت کے افسروں، امراء یا مقتدر لوگوں میں سے کسی نے زیادتی کی ہو یا قاضی نے کسی مقدمہ کا صحیح فیصلہ نہ کیا ہو۔ ویسے اس عدالت میں بلا تخصیص ہر قسم کے فیصلوں کے خلاف اپیل ہو سکتی تھی۔

امام ماوردی اور ابو یعلیؒ کے نزدیک "ولایت مظالم" سے مراد:

وَنَظَرُ الْمَظَالِمِ هُوَ قَوْدُ الْمُتَظَالِمِيْنَ إِلَى التَّنَاصُفِ بِالرَّهْبَةِ، وَزَجْرُ الْمُتَنَازِعَيْنِ عَنِ التَّجَاحُدِ بِالْهَيْبَةِ.(52)

(ولایت مظالم سے مراد یہ ہے کہ آپس میں تعدّی اور ظلم کرنے والے ہر دو فریق کو جبر اور دبدبے کے ساتھ انصاف کے لیے پیش کیا جائے اور جھگڑے کے فریقوں کو حکومت کے دبدبہ کے ذریعہ انکار اور گریز سے باز رکھا جائے۔)

یہ ادارہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے وفاقی محتسب اعلیٰ کے ادارے کی طرح ہوتا ہے۔ دیوانِ مظالم کا اسلامی حکومت میں اہم مقام ہے۔ بنیادی طور پر اس کا دائرہ اختیار خصوصی نوعیت کے مقدمات سننے، ملکی قوانین میں مشورہ دینے اور قانون سازی میں حصہ لینے تک وسیع ہے۔ خصوصی مقدمے وہ ہوں گے جن میں سرکاری ملازمین کی بازپرست کا معاملہ آتا ہو یا وہ مقدمے میں جن

میں فریق مقدمہ حکومت ہو اور شکایت رعایا میں سے کسی کو ہو۔

دیوان مظالم کے قاضی درج ذیل مقدمات سن سکتے ہیں:

1۔ اگر کوئی سرکاری ہلکار بیت المال میں غبن کرے۔

2۔ اگر سربراہ مملکت یا گورنر عوام پر ظلم کے الزام میں ماخوذ ہو۔

3۔ اگر بااثر لوگوں میں سے کسی نے عام آدمی کا حق دبالیا ہو۔

4۔ بیت المال کی آمدنی کے ذرائع پر متعین ذمہ دار شخص وصولی میں ظلم وزیادتی کا مرتکب گردانا جائے۔

5۔ حکومت کے دفاتر کی کارگردگی کا جائزہ وتحقیقات۔

6۔ اوقاف کے معاملات کی نگرانی اوقاف کی شرطوں کا صحیح نفاذ، جائداد کی نگرانی وغیرہ۔

7۔ سرکاری ملازمین اور فوجیوں کی دادرسی اوران کی تنخواہوں سے متعلق مقدمات کی سماعت۔

8۔ اگر قاضیوں کے فیصلے اور محتسب کے احکام نافذ نہ ہورہے ہوں تو نافذ کرنا۔

9۔ اگر سربراہ مملکت سے شریعت کی خلاف ورزی کا صدور ہو تو اس کا ازالہ۔

10۔ قاضی کی طرح عمومی نوعیت کے فیصلے۔

ان اختیارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو ہیبت اور دبدبہ اس محکمے کا ہوتا ہے وہ عام عدالتوں کا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس محکمے کے قاضی ان حضرات کو بنانا چاہیے جن کا دامن تہمت سے پاک ہو۔ ہر طرح کی لالچ سے دور ہوں۔ تقویٰ میں ممتاز ہوں اور رعب ودبدبہ رکھتے ہوں۔

2۔ادارہ احتساب (حسبہ):

حسب کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں اور حسب وہ اشیاء ہیں جنہیں شمار کیا گیا ہو۔ اسی سے حسب کے معنی اس عظمت وشرف کے ہوئے جو کسی کے باپ دادا میں پائی جاتی ہو یعنی آباؤاجداد کے مفاخر کیونکہ انسان اپنی پچھلی نسلوں کی عظمتوں اور مفاخر کو شمار کرتا ہے۔ امام غزالی نے احتساب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

عبارة عن المنع عن منكر لحق الله صيانته للممنوع عن مقارلة المنكر(53)

(احتساب سے مراد یہ ہے کہ حقوق اللہ سے متعلق کسی منکر (اور ناپسندیدہ کام کے ارتکاب) سے روکا جائے تاکہ جس کو روکا جارہاہے وہ اس برائی کے ارتکاب سے باز رہے۔)

مشہور شافعی فقیہ قاضی ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی (متوفی 450ھ) نے احتساب کی تعریف یہ کی ہے:

هو أمر بالمعروف إذا ظهر تركه ، ونهي عن المنكر إذا ظهر فعله(54)

(احتساب سے مراد اچھائی کا حکم دینا جب اس کو چھوڑ دینا عام ہو جائے اور کھلم کھلا اس کو چھوڑا جانے لگے اور برائی سے روکنا جبکہ اس کو کھلم کھلا کیا جانے لگے۔)

مفکر ومؤرخ علامہ عبدالرحمٰن بن خلدون کی وضع کردہ تعریف سب سے زیادہ جامع اور مختصر ہے وہ کہتے ہیں:

هی وظیفة دینیة من باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر[55]

(یہ ایک دینی منصب ہے جس کا تعلق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے ہے۔)

الحسبہ دراصل ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ ادارہ (Institution) ہے جو احتساب کے فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے۔ تاریخ میں واشگاف طور پر ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے اس اصطلاح کی وجہ انتخاب معلوم ہو سکے، تاہم یہ امر یقینی ہے کہ "الحسبہ" کی اصطلاح کے اختراع اور تعیین میں مادہ ح س ب کے ماتحت و متعلق تمام الفاظ اور ان کے معانی کسی نہ کسی صورت میں اس کے مفہوم و مطالب میں کارفرما رہے ہیں۔

احتسابی ادارے کے اختیارات ودائرہ کار:

احتسابی نظام کے اختیارات اس وقت شروع ہوتے ہیں جب یہ محسوس ہو کہ معاشرے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہو، چونکہ یہ کام خاصی محنت کا طالب بھی ہے اور اختیارات کا متقاضی بھی، اس لیے جب تک اس فرض کے ادا کرنے والے شخص کو سرکاری تحفظ حاصل نہ ہو اس وقت تک خدشہ رہے گا کہ وہ معاشرے سے اپنے احکامات کی تعمیل نہ کرا سکے گا۔ اور اخلاقی قدروں سے مناسبت کم ہونے لگے گی نیز شر پسند عناصر فضا کو گندہ کرنے میں آزاد ہو جائیں گے۔

احتسابی نظام کے دائرہ اختیار میں یہ امور آتے ہیں:[56]

1۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے متعلق بھلائی کا حکم کرنا۔

2۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں سے متعلق برائی سے روکنا۔

احتسابی نظام میں کچھ مناسبت قضاء کے نظام سے ہے اور کچھ میں قضاء سے زیادہ حق واختیار ہے اور کچھ میں کم، کم اختیار ان امور میں ہے:

1۔ وہ تمام مقدمے جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پہلو نہ پایا جائے ان سے اس کا تعلق نہ ہو گا۔ جبکہ قضاء میں سب مقدمے سنے جا سکتے ہیں۔

2۔ معروف معاملوں سے متعلق شکایات سننے کا اختیار۔ اس لیے وہ معاملات جن میں گواہ، ثبوت وغیرہ آتے ہوں اس کے دائرہ کار سے باہر ہیں وہ نہ ثبوت کی بابت بحث کرے گا نہ قسم لے گا۔ ان معاملات میں احتسابی ادارہ قضاء سے زیادہ با اختیار ہے۔

1۔ محتسب منکر کے ازالے کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لے گا اور بھلائی کا حکم دے گا، خواہ ایسے معاملات اس کے سامنے بطور مقدمے کے نہ بھی آئیں اور نہ کوئی مدعی ہو اور نہ فریقین۔ جبکہ قاضی صرف وہ مقدمہ سن سکتا ہے جس میں فریقین ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ احتسابی نظام میں یہ شرط نہیں کہ مقدمہ پیش کرنے والا محتسب کا رشتہ دار نہ ہو۔ اسی طرح فیصلے سنانے کے عدالتی مرحلوں کو بھی یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

2۔ منکرات کے ازالے کے باب میں محتسب کے کافی اختیارات ہیں، قاضی کے برعکس منکر کے مرتکب کے خلاف محتسب زیادہ سخت رویہ اپنا سکتا ہے۔

عدالتی نظام کے مذکورہ ان تینوں اداروں کا مقصد عدل کا قیام، حقوق کی بحالی، جان ومال کا احترام، شرعی احکام کی تنفیذ، معاشرے میں بھلائی کا قیام اور پھیلاؤ، برائی کا خاتمہ اور اس کے اسباب کا سدِ باب ہے۔

اب بھی یہ نظام اسی طرح سے قائم کیا جاسکتا ہے یا اس میں اہل شوریٰ کی رائے سے مصلحت کو سامنے رکھ کر مزید ترامیم کی جاسکتی ہیں اس طرح کہ عصری تقاضوں کو شرعی روح کے مطابق پورہ کر سکیں جیسے عسکری عدالتوں کا الگ دائرہ عمل ہے، فنی امور کی عدالتیں، لیبر کورٹ، تجارتی مسائل کی عدالت، بین الاقوامی تعلقات کی عدالت وغیرہ الگ الگ ہیں۔

اسلامی نظام عدل کے نفاذ کیلئے اقدامات اور آزاد جموں و کشمیر کا عدالتی ماڈل:

مورخہ 5 ستمبر 1974 کو آزاد جموں و کشمیر میں پہلی بار باقاعدہ طور پر اسلامی نظام قضاء کو نافذ کیا گیا اور اس مقصد کیلئے آزاد جموں و کشمیر اسلامی (تعزیزاتی) قوانین نفاذ ایکٹ 1974 وضع کیا گیا جس کی دفعہ 22 (الف) کی رو سے ایکٹ متذکرہ بالا کے مقاصد کیلئے خصوصی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ان میں سے اہم قوانین کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(ایکٹ XI بابت 1974ء) مورخہ 5 ستمبر 1974: آزاد جموں و کشمیر گورنمنٹ ایکٹ 1970 کی دفعہ 34 کی رو سے آزاد جموں و کشمیر میں مروجہ قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنایا جائے لہٰذا حسب ذیل قانون وضع کیا گیا ہے:

یہ ایکٹ آزاد جموں و کشمیر اسلامی (تعزیراتی) قوانین نفاذ ایکٹ 1974 کے نام سے موسوم ہے۔

(الف) اس ایکٹ کا اطلاق آزاد جموں و کشمیر کی حدود کے اندر ہر شخص پر ہوگا۔[57] ۔

(ب) جہاں ملزم مسلمان ہو اس پر اس ایکٹ کا اطلاق اس کے فقہی مسلک کے مطابق ہوگا۔

اسی طرح درجہ ذیل دفعات اسلامی قوانین کے مطابق نافذ کیا گیا۔

1۔مال کے خلاف جرائم (نفاذ حدود) ایکٹ 1985 (Act XII of 1985)

2۔جرم زنا (نفاذ حدود) ایکٹ 1985(Act V of 1985)

3۔جرم قذف (نفاذ حدود) ایکٹ 1985(Act XIV of 1985)

4۔ مجموعہ تعزیرات (ترمیمی) ایکٹ نمبر XII بابت 1995 (قانون قصاص و دیت) [58]

دفعہ 53۔ سزائیں :اس مجموعہ کے احکام کے تحت مجرم ان سزاوں کے مستحق ہوں گے۔

اول۔ **قصاص** دوئم۔**دیت** سوئم۔**ارش**، چہارم۔ **ضمان** پنجم۔**تعزیر** ششم۔ **موت** ہفتم۔ **عمر قید**، ہشتم۔**قید** (جس کی مزید دو قسمیں ہیں (1) قید بامشقت (2) قید محض)۔ نہم۔ **ضبطی جائیدار**۔ [59]

نظامِ قضاۃ آزاد جموں و کشمیر:

آزاد جموں و کشمیر میں فوجداری مقدمات کی سماعت کے لئے بذیل عدالت ہا تشکیل شدہ ہیں۔اسلامی تعزراتی ایکٹ کے تحت ہر عدالت کے دو رکن ہیں جن میں ایک جج/مجسٹریٹ اور ایک قاضی تعینات ہے۔

دفعہ 22۔ (الف) **تشکیل عدالت ہائے** : آزاد کشمیر میں اس وقت عدالتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) **ضلعی فوجداری عدالت** : ضلعی فوجداری عدالت سیشن جج اور ضلع قاضی پر مشتمل ہے۔

(ب) ایڈیشنل ضلعی فوجداری عدالت:

i. ایڈیشنل ضلعی فوجداری عدالت ایڈیشنل سیشن جج اور ایڈیشنل ضلعی قاضی پر مشتمل ہے۔

ii. ایڈیشنل ضلعی فوجداری عدالت کو مقدمات کی سماعت وانفصال کے سلسلہ میں وہی اختیارات حاصل ہیں جو ضلع فوجداری عدالت کو حاصل ہیں۔

iii. حکومت جہاں مناسب سمجھے گی ایک یا ایک سے زیادہ سب ڈویژن میں ہائی کورٹ کے مشورہ سے ایڈیشنل ضلع فوجداری عدالت کا قیام عمل میں لاسکتی ہے اور بوقت ضرورت ان کی حدود میں کمی و بیشی یا تبدیلی کر سکتی ہے۔

(ج) تحصیل فوجداری عدالت:

تحصیل فوجداری عدالت سول جج / مجسٹریٹ اور تحصیل قاضی پر مشتمل ہے۔

(د) ایڈیشنل تحصیل فوجداری عدالت:

i. ایڈیشنل تحصیل فوجداری عدالت ایڈیشنل سول جج / مجسٹریٹ اور ایڈیشنل تحصیل قاضی پر مشتمل ہے۔

ii. ایڈیشنل تحصیل فوجداری عدالت کو وہی اختیارات اپنی حدود کے اندر حاصل ہوں گے جو تحصیل جوجداری عدالت کو حاصل ہیں۔

iii. جہاں حکومت مناسب سمجھے گی تحصیل کے کسی مخصوص حصہ کے لیے ایڈیشنل تحصیل فوجداری عدالت کا قیام عمل میں لاسکتی ہے۔

ازاں بعد سنیئر تحصیل فوجداری عدالت جو سنیئر سول جج / سنیئر تحصیل قاضی پر مشتمل ہوتی ہے کا اضافہ بھی ہوا۔ متذکرہ بالا ایکٹ کے تحت قائم دورکنی خصوصی عدالتوں کو جن جرائم کی حد تک مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا گیا وہ "دی آزاد پینل کوڈ ترمیمی ایکٹ 1995ء، قصاص و دیت ایکٹ" سے موسوم ہوا جس کی رو سے تعزیرات پاکستان کی دفعات 295 تا 338 کی سماعت کا اختیار ان عدالتوں کے پاس آیا اور اس سے ہٹ کر حد سرقہ ایکٹ، حد قذف ایکٹ، حد زنا ایکٹ حد شراب و خمر ایکٹ کی سماعت کا اختیار بھی انہی خصوصی عدالتوں کو دیا گیا۔ نیز ایسے تمام مقدمات جن میں تعزیرات پاکستان کی دیگر دفعات کے ساتھ ان متذکرہ بالا دفعات میں سے کوئی دفعہ بھی موجود ہو گی تو ان مقدمات کی سماعت کا اختیار بھی انہی دورکنی خصوصی عدالتوں کو حاصل ہو گا۔

ان مقدمات میں تعداد عام فوجداری مقدمات کی تعداد سے زیادہ ہوتی ہے۔ ان فوجداری خصوصی عدالتوں کا سب سے بڑا متیاز یہ ہے کہ یہ دورکنی عدالتیں ہیں اور ان عدالتوں کا ایک رکن لازمی طور پر علوم شریعہ کا ماہر جج متعین کیا جاتا ہے جو مروجہ قانون پر دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت علوم کے ماہر بھی ہوتے ہیں ان قاضی صاحبان کی سلیکشن کیلئے بھی باقاعدہ پبلک سروس کمیشن کے امتحانات ہوتے ہیں۔

دفعہ 23۔ اختیارات سماعت:

(1) باوجود اس امر کے کہ ضابطہ فوجداری 1898ء یا اسکی دیگر قانون میں اس کے برعکس درج ہو پینل کوڈ کی دفعات 300 تا 337 میں درج جرائم کی سماعت کا اختیار اایکٹ ہذا کے تحت تشکیل شدہ عدالتوں کو ہو گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ایسے اشخاص جن پر پاکستان آرمی ایکٹ 1952ء کا اطلاق ہوتا ہو ان کے مقدمات کی سماعت آرمی ایکٹ کے تحت قائم کردہ عدالت ہی

کرے گی۔

(2) ذیلی دفعہ (1) میں درج جرائم کے حوالہ سے ضابطہ فوجداری میں جہاں کہیں الفاظ " عدالت العالیہ " درج ہیں ان سے مراد "آزاد جموں وکشمیر شریعت کورٹ " لی جائے گی۔

(3) ضلعی فوجداری عدالت یا تحصیل فوجداری عدالت جیسی بھی صورت ہو، کا ایک ممبر اگر کسی وجہ سے حاضر نہ ہو تو دوسرا ممبر ضابطہ فوجداری یا دیگر کسی دوسرے قانون میں دیے گئے جملہ اختیارات ماسوائے حتمی فیصلہ کرنے کا مجاز ہو گا۔

(4) ضلعی فوجداری عدالت اور ایڈیشنل ضلعی فوجداری عدالت کو ایکٹ ہذا کے تحت تمام مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہو۔ ماسوائے ایسے مقدمات کے جن کا اختیار سماعت ضابطہ فوجداری یا کسی دوسرے نافذ العمل قانون کے تحت تحصیل فوجداری عدالت یا ایڈیشنل تحصیل فوجدری عدالت کو جیسی بھی صورت ہو حاصل ہو۔

(5) اگر کسی ایک وقوع کے دوران کوئی شخص ایسے فعل کا ارتکاب کرے جس کا اختیار سماعت ایکٹ ہذا کے تحت قائم شدہ کسی عدالت کو حاصل نہ ہو اور ایسے فعل سے کسی دیگر تعزیری جرم کا ارتکاب بھی پایا جائے تو بوجود کہ کسی دیگر قانون میں کچھ اور درج ہو، ایکٹ ہذا کے تحت تشکیل شدہ عدالت مجاز ان جرائم کی سماعت کرنے کی مجاز ہو گی جو کسی دیگر قانون کے تحت قابل مواخذہ اور مستوجب سزا ہیں۔

(6) اس ترمیم کے موثر ہونے سے قبل اگر کوئی کارروائی کسی عدالت مجاز ہو چکی ہو تو اس کے متعلق یہ تصور کیا جائے گا کہ یہ ترمیم شدہ صورت کے مطابق درست کی گئی ہے۔

(7) ایکٹ ہذا کے تحت مقدمات میں ضلعی عدالت کے فیصلہ میں اختلاف رائے کی صورت میں مقدمہ انفصال کے لیے آزاد جموں وکشمیر شریعت کورٹ کو بھیجا جائے گا جس کے فیصلہ کے خلاف اپیل اندر 30 یوم عدالت عظمیٰ میں دائر کی جا سکے گی۔

(8) دوران سماعت مقدمہ تحصیل عدالت کے جج اور قاضی کے درمیان اختلاف رائے کی صورت میں مقدمہ ضلعی فوجداری عدالت کے پاس استصواب رائے کے لیے بھیجا جائے گا جس کی رائے کے مطابق تحصیل عدالت عمل کرے گی اور اگر ضلعی عدالت میں بھی اختلاف قائم رہے تو اسے آزاد جموں وکشمیر شریعت کورٹ کا واحد جج کرے گا ور اس کی رائے کے مطابق متعلقہ عدالت عمل کرے گی۔

(9) دوران سماعت مقدمہ ضلعی عدالت کے درمیان اختلاف رائے کی صورت میں مقدمہ آزد جموں وکشمیر شریعت کورٹ کے پاس استصواب رائے کے لیے بھیجا جائے گا جس کی رائے کے مطابق ضلعی عدالت عمل کرے گی۔[60]

آزاد کشمیر میں نظام قضاء کے ممیزات:۔

1۔ریاست جموں وکشمیر چونکہ 100% مسلم آبادی پر مشتمل ہے اور اس کے آئین میں ریاستی مذہب اسلام کو قرار دیا ہے اور ریاست کے آئین میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ ریاست میں کوئی بھی ایسا قانون نہیں بن سکتا جو قرآن وسنت سے متصادم ہو۔ گویا ریاست میں آئین کی رو سے تمام قوانین کا بنیادی ماخذ قرآن وسنت کو قرار دیا ہے جب نظریاتی طور پر ایسا ہے تو اسے عملی جامہ پہنانے کیلئے قانون کی تعبیر وتشریح اور تنقید کیلئے قرآن وسنت کے ماہرین کی خدمات لی جانی اس کا اولین تقاضہ ہے اور انتہائی اہم عملی ضرورت ہے اسی ضرورت کی تکمیل کیلئے ریاست میں پہلی مرتبہ اسلامی فوجداری قوانین نفاذ ایکٹ 1974 کا نفاذ کیا گیا اور قرآن وسنت کا ماہرین پر مشتمل خصوصی عدالتوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

2۔ قاضی صاحبان عصری قوانین کے ساتھ ساتھ علوم شریعہ کے ماہرین بھی ہوتے ہیں یوں ان کے فیصلوں میں دیگر قوانین کی جھلک نظر آتی ہے۔

3۔ دینی Background ہونے کی بدیں وجہ سے قاضی صاحبان بدعنوانی جیسے ناسور سے حتی المقدور اور قاضی کورٹس کماحقہ محفوظ ہوتی ہیں اور خداخوفی وخداترسی کے عنصر کی وجہ سے عوام الناس کو Speedy Justice پہچانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔

4۔ قاضی کورٹس کے قیام کی وجہ سے فراہمی انصاف کا تسلسل ٹوٹتا نہیں ہے چونکہ بیک وقت دونوں ممبران غیر حاضر نہیں ہوتے بلکہ کسی ایک ممبر کو بہرحال موجود ہونا ہوتا ہے یوں محض تاریخ گواہی کے بجائے مقدمہ بلاوجہ التواء کا شکار نہیں ہوتا بلکہ جلد اور فوری انصاف ممکن رہتا ہے۔

5۔ قاضی کورٹس کی وجہ سے فیصلہ جات کی Quantity کے ساتھ Quality بھی بہتر ہوتی ہے۔

قاضی کورٹس فوری اور جلد انصاف کی فراہمی اور اپنے شاہد و صداقت کی تکمیل میں کامیاب بھی ہیں ریاستی ماتحت عدالتوں میں ہونے والے فوجداری مقدمات کے اعداد و شمار ان کی ڈائری اور فیصلہ جات کو دیکھا جائے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ قاضی کورٹس اپنے انصاف کی تکمیل میں کامیاب رہی ہیں اور میں یہی وجہ ہے کہ ریاست بھر میں قدیم سے قدیم فوجداری مقدمہ میں 15 سال سے زائد عرصہ کی طوالت بمشکل پائی جاتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس دیوانی مقدمات نصف صدی سے زائد عرصہ سے زیر کار رہوں گے۔ اس کے باوجود اگر قاضی کورٹس کی کماحقہ موثر اور مفید بنانا ہے تو پر بذیل اقدامات واصلاحات ناگزیر ہیں۔

ا۔ جملہ فوجداری مقدمات کی Exclusively سماعت کا اختیار قاضی کورٹس کو سونپا جائے۔

۲۔ قاضی کورٹس میں تعینات قاضی صاحبان کو ہم پلہ ججز صاحبان کے برابر مراعات واختیارات بھی دیے جائیں تاکہ احساس کمتری کا فقدان نہ ہو اور نظام قضاء کے ثمرات کھل کر سامنے آسکیں۔

۳۔ ضابطہ فوجداری میں ایسی ضروری ترامیم کی جائیں جو کسی بھی مقدمہ میں بے جا طوالت کا ذریعہ بنتے ہیں کیونکہ جب قاضی صاحبان اور قاضی کورٹس مروجہ ضابطہ کی ماتحت ہو کر کام کریں گے تو اس سے وہ ثمرات کے جو کسی بھی اسلامی نظام قضاء کے معاشرہ پر مرتب ہونے چاہئیں وہ نہیں ہوسکتے۔

خلاصہ بحث:

قرآن کریم اور سیرت طیّبہ کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی ریاست کی تشکیل میں اصولِ توازن بدرجہ اتم موجود ہے، انسانی معاشرے کو فطرت کے اس اصول توازن کے تحت اجتماعی نظام چلانے کے لیے مختلف اداروں کا قیام عمل میں لایا جاتا ہے یہ ادارے باہم دِگر کچھ اس طرح لازم ملزوم ہیں کہ ہر ادارہ دوسرے کی لازمی ضرورت اور معاون ہے اور سب مل کر ایک اکائی بن جاتے ہیں، ان کا مقصد عدل کا قیام، حقوق کی بحالی، جان ومال کا احترام، شرعی احکام کی تنفیذ، معاشرے میں بھلائی کا قیام اور پھیلاؤ، برائی کا خاتمہ اور اس کے اسباب کا سدِباب ہے۔ اب بھی یہ نظام اسی طرح سے قائم کیا جاسکتا ہے یا اس میں اہل شوریٰ کی رائے سے مصلحت کو سامنے رکھ کر مزید ترامیم کی جاسکتی ہیں اس طرح کہ عصری تقاضوں کو شرعی روح کے مطابق پورہ کرسکیں جیسے عسکری عدالتوں کا الگ دائرہ عمل ہے، فنی امور کی عدالتیں، لیبر کورٹ، تجارتی مسائل کی عدالت، بین الاقوامی تعلقات کی عدالت وغیرہ الگ الگ ہیں۔

نظام عدل و قضاء کی درستگی کا انحصار بہت سے دوسرے عناصر پر ہے محض قاضی کی دیانت، خداترسی، معاملہ فہمی اور بصیرت ہی عدل وانصاف کی ضمانت نہیں ہوتی۔ جب تک دوسرے کچھ شعبہ ہائے زندگی اس کی مدد نہ کریں، عادل قاضی فیصلہ تو کرسکتا ہے مگر ممکن ہے کہ وہ فیصلہ عدل سے خالی ہو، کیونکہ قاضی کے فیصلوں کا انحصار بڑی حد تک گواہوں کے بیانات پر ہوتا ہے اسی طرح اگر

فریقین مقدمہ قاضی کو درست معلومات فراہم کرنے میں تعاون نہ کریں، لیت و لعل سے کام لیں، گواہان گواہی دینے سے کترا جائیں یا غلط گواہی دیں تو قاضی بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے جس کے اثرات فیصلہ پر پڑتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں نظام قضاء اس وقت تک موثر طریقے سے کام نہیں کر سکتا جب تک افراد معاشرہ احتسابی عمل سے ہمکنار نہ ہوں اور متوازن رویوں کے حامل نہ ہوں۔ اسلامی نظام عدل اس کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔ اسلامی عدلیہ کا ایک اہم ادارہ اس کام پہ معمور ہوتا ہے کہ جرم سے پہلے جرم کی روک تھام کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ اور اصلاح معاشرہ اور اجتماعی رویوں کو درست کیا جائے اور ان پر نظر رکھی جائے۔ اس طرح عدلیہ سے متعلقہ یہ ادارے قیامِ عدل میں عدالت کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔

دوسری اہم چیز جس پر فیصلے کا انحصار ہوتا ہے وہ سچی گواہی ہے۔ چونکہ قاضی فریقین کی جانب سے پیش کردہ شہادت اور دلائل کی روشنی میں ہی فیصلہ کرنے کا پابند ہوتا ہے، اس لئیے فریقین کی جانب سے پیش کردہ مواد کو بھی نظام قضاء میں اہمیت حاصل ہے۔ قاضی یا جج کیلئے جہاں دیگر بہت سی شرائط و صفات ملحوظ ہیں وہیں ایک اہم ترین شرط "شرعی علوم کے اصول (Principles) اور جزئیات کا علم ہونا بھی ہے۔ یہ شرط بڑی اہم ہے اور اس کا سمجھنا ان لوگوں کیلئے خاصا دشوار ہے جن کا پس منظر تعلیمی اعتبار سے فقہی نہ ہو۔ چونکہ عربی زبان ابھی تک تعلیمی اداروں میں عام نہیں ہوئی اس لئے بہت سے لوگ اسلامی قانون کا تعارف اس طرح حاصل نہیں کر پاتے جس طرح وہ انگریزی قانون سے واقف ہے۔ حقیقت یہ کہ اسلامی قانون کو سمجھنے کیلئے اصول فقہ کو جاننا از حد ضروری ہے۔

1974 کے ایکٹ کے تحت آزاد کشمیر میں باقاعدہ اسلامی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ یہاں اسلامی تشخص کی حفاظت اور اسلامی اصولوں کے مطابق ایک پرامن معاشرے کے قیام کے لیے سنجیدہ اور شعوری کوشش کی گئیں۔ آزاد جموں و کشمیر میں پاکستان کے دیگر علاقوں کی نسبت ایک منفرد اسلامی عدالتی نظام قائم ہے جو خاص اہمیت کا حامل ہے۔ 1974 کے ایکٹ کے تحت یہاں باقاعدہ اسلامی تعزیراتی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔ تمام فوجداری عدالتوں میں تحصیل کی سطح تک ججز کے ساتھ قاضی تعینات ہیں۔ جو اسلامی قوانین کے مطابق فیصلوں کو یقینی بناتے ہیں۔

آزاد کشمیر میں اگرچہ بہت سے ادارے اپنے قیام کے اعتبار سے منفرد اہمیت رکھتے ہیں مثلاً اسلامی قونین ایکٹ 1974 ، کا نفاذ، عدلیہ میں ہر سطح پر قاضیوں کا تقرر، اور اسلامی قانون ایکٹ 1974 حدود و تعزیرات، اسی طرح محکمہ امور دینیہ کا قیام سرکاری دار الافتاء کا نظام، تجوید القرآن ٹرسٹ کا قیام، شراب کی خرید و فروخت پر پابندی وغیرہ۔ ان سب اقدامات کے باوجود بھی قانون کے اسلامیانے کا کام نامکمل ہے اور کافی عرصہ سے تعطل کا شکار ہے، اسلامی عدالتی نظام کے باوجود بہت سی سزاؤں پر عمل معطل ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کے قانون کی اسلامائزیشن کے کام کو ترجیع بنیادوں پر آگے بڑھاتے ہوئے اس کام کے لیے باقاعدہ ایک تحقیقی ادارے کا کام عمل میں لایا جائے، اور پہلے سے موجود ان اداروں کی تنظیم نو کی جائے تا کہ یہ کام منظّم انداز میں انجام دیا جا سکے، دور حاضر کے معاشرتی مسائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے قوانین کی تعبیر جدید اور عمل درآمد کو یقینی بنایا جا سکے۔ آزاد جموں و کشمیر میں یہ کام پاکستان کے دیگر علاقوں کی نسبت آسان ہے کیونکہ یہاں ایک مکمل ڈھانچہ موجود ہے جسے فعال بنانے کی ضرورت ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

1- ابن منظور، ابو الفضل جمال الدین محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ص:430/11
2- صدیقی، محمد عبدالحفیظ، برصغیر پاک و ہند میں اسلامی نظام عدل، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد1995، ص:9
3- المائدہ:95/5
4- ابن منظور، لسان العرب، ص:83/9
5- الازھری، ابو منصور بن احمد، معجم تہذیب اللغۃ، دارِ صادر، بیروت، ص358/3 ---، الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، دار الکتب العربی، مصر، ص:4/1436
6- البقرہ:2 /48
7-السریٰ:17 / 24
8-البقرہ:2 /111
9-فصّلت: 41 /12
10- یوسف:28/12
11-الحجر:66/15
12-النساء:65/4
13-السباء:34/ 14
14-القصص:29/28
15-یوسف:28/12
16-ابو البرکات محمد ابن احمد الدردیر، الشرح الصغیر، طبع قاہرہ، 1974، ص:175-186
17-الانعام:6 /152
18-الشوریٰ:15/42
19-النساء:58/4
20-المائدہ:8/5
21-الاعراف:7/ 29
22-ص26/38
23- ابوداؤد، السنن، ابوداود، سلیمان بن اشعث بن اسحاق سجستانی، السنن، کتاب الزکاۃ ، باب رضا المصدق، ،دار الفکر بیروت1414 ھ، رقم:1588
24- بخاری، الجامع الصحیح، رقم:2707، ص:42/4
25-الخطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، رقم:3718، المکتبہ التجاریہ، دار الفکر، بیروت، 1991ء، ص:148/2،
26- یوسف:12 /40
27-النجم:3 4-3/5
28--ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ، الترمذی، جامع ترمذی، ، (بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1954ھ)، ص؛4/ 351
29- النساء: 4/ 59

30- آلوسی، محمود بن محمد، تفسیر روح المعانی، ادارہ الطباعۃ المنیریہ القاہرہ، 1977ء، ص:67/5

31- ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم ،مکتبہ الفقیمۃ، قاہرہ، 1987ء ص:421/1

32- النساء:4/58

33- بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ط/المکتب الاسلامی، بیروت لبنان، 1401ھ/1981ء، رقم:73

34- ابن العابدین، محمد بن محمد الامین بن عمر بن عبد العزیز العابدین الدمشقی، الدر المختار، 4 /309

35- ابو داؤد، السنن، کتاب الاقضیۃ، باب فی طلب القضاء، رقم: 3100 ، ص:147/2 ـ ترمذی، ابو عیسی محمد بن سورہ بن شداد، کتاب لأحکام، باب ماجاء عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القاضی رقم: 1247

36- اِبو البرکات عبد السلام بن تیمیۃ الحرانی مجد الدین، المنتقی من اخبار المصطفٰے، طبع المکتبۃ التجاریۃ الکبری، قاہرہ، ۱۹۳۲ء، ص:2/۹۳۲

37- ـ الماوری، الاحکام السلطانیہ، ص:76

38- سیّد مودودیؒ، اسلامی ریاست، ص:345

39- الماوری، الاحکام السلطانیہ، ص:77

40- صنعانی، ابی بکر عبد الرزاق بن حمام، المنصنف، بیروت، المکتبہ السلامی، ج8، ص:298/8

41- الماوردی، ادب القاضی، طبع بغداد، 1971ء، ص:137ـ138

42- قاضی شہاب الدین، ادب القضاء، ص:22

43- الغزالیؒ، الوجیز، ص:2/ 237

44- الماوردی، ادب القاضی، طبع بغداد 1971ء، ص:145/1

45- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص:36

46- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص:38

47- الکاسانی، علاوالدین، اِبو بکر بن مسعود بن اِحمد الکاسانی الحنفی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ص:224/6

48- الکاسانی، بدائع الصنائع، ص:12/7ـ13

49- الکاسانی، بدائع الصنائع، ص:222/6ـ224

50- الکاسانی، بدائع الصنائع، ص:9/7ـ10

51- ابن قدامہ، المغنی، طبع قاہرہ، 1367ھ، ص:43/4ـ44ـ الشرح الصغیر، ص:194/4ـ195

52- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص:77

الفراء، قاضی ابو الیعلی محمد بن الحسین، الاحکام السلطانیہ، ط/المطبعۃ الفریدۃ، المکۃ المکرمہ، 1358ھ، ص:73

53- الغزالی، احیاء العلوم الدین، ص:2/ 303 ومابعد

54- الماوردی، ابو الحسن علی بن محمد البصری الاحکام السلطانیہ، طبع قاہرہ 1966ء ص: 240ـ ابو لفراء، احکام السطانیہ ص: 284

55- ابن خلدون، مقدمہ، ص: 225

56- الماوردی، الاحکام السلطانیہ، ص:213

57 - The Azad Jammu & Kashmir Rules of Business 1985, Amirullah Khan (District & Session Judge) ,Gov.Paress MZD 1998, P.12

58 - The Azad Jammu & Kashmir Rules of Business 1985, Amirullah Khan (District & Session Judge) ,Gov.Paress MZD 1998, P.12

59 - Amirullah Khan ,Islamic Criminal Laws Azad jammu & Kashmir(Enforeement of Hudood & Tazeerat) Gov.Printing Parss Muzaffarabad,2014,P.25

60 - Amirullah Khan ,Islamic Criminal Laws Azad Jammu & Kashmir(Enforcement of Hudood & Tazeerat) Gov. Printing Parses Muzaffarabad,2014,P.44